ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

ماخذ تحقیقی مجلہ

انجم مبین
استاد شعبہ اردو، نیشنل یونیورسٹی آف ماڈرن لینگویجز، اسلام آباد

امین راحت چغتائی کے کلام میں علامت نگاری

(بھید بھنور کے تناظر میں)

Anjum Mobeen
Lecturer, Department of Urdu, NUML, Islamabad.

Symbolism in Amin Rahat Chughtai's Poetry with Particular Reference to His Work Bhid Bhanwar

Amin Rahat Chughtai holds a special position as a researcher, critic poet particularly of Naat and Hikko. Bhid Bhanwar is his collection of poems and ghazals published in 1984. His poems and ghazals has similar tone and style. On one hand his poems fulfil the criteria of modern poem and on the other hand his poem is rooted in the tradion. He follows a particular system of symbols in his poetry. This system is based in four main symbols forest, alley or street, fire and mirror. Beside there is a variety of topics in his poetry. His poetry deals with feelings, love, affection, excitement, self realization relationship with the tradition of past, problems of urban life, indifference of politicians. These are the issues every refined reader would like to read.

Key Words: *Amin Rahat Chughtai, Researcher, Critic, Naat, Hikko, Ghid Bhanwar, Poems, Ghazals.*

اصل نام مرزا محمد امین بیگ ہے۔ راحت تخلص کرتے ہیں جیسا کہ نام کے آغاز میں مرزا کا لفظ موجود ہے۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے۔ محمد امین بیگ کی ذات بھی چغتائی ہے۔ اس لیے ادبی دنیا میں امین راحت چغتائی کے نام سے جانے جاتے ہیں۔ ۱۵ اکتوبر ۱۹۳۰ء کو رنگوں میں پیدا ہوئے بعد ازاں راولپنڈی آکر مقیم ہو گئے۔ تعلیم راولپنڈی اور لاہور سے حاصل کی۔ ایم اے کے بعد ایل ایل بی کی ڈگری بھی حاصل کی۔ وکالت میں دل نہیں لگا تو مختلف اخبارات و رسائل کی ادارت کرتے رہے۔ امین راحت چغتائی ادبی و علمی حلقوں میں نقاد، شاعر اور محقق کی حیثیت

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

سے جانے جاتے ہیں۔ ان کا ادبی سفر خاصا طویل ہے بحیثیت شاعر انہوں نے ہر صنف میں طبع آزمائی کی جس میں حمد و نعت گوئی، نظم نگاری غزل گوئی اور ہائیکو شامل ہیں۔ اس کے علاوہ قرآن و سنت اور سائنسی مظاہر کے حوالے سے بھی ان کے لکھے گئے مضامین اہمیت کے حامل ہیں۔ امین راحت کی اب تک سات کتابیں شائع ہو چکی ہیں جن کی تفصیل یوں ہے:

۱۔ بھید بھنور

۲۔ قرآن و نظام کائنات

۳۔ مغل مکتب مصوری سولہویں صدی عیسوی

۴۔ دلائل

۵۔ بام اندیشہ

۶۔ ردِ عمل

۷۔ محراب توحید (نعتیہ کلام)

راولپنڈی کا ادبی ماحول شعر و شاعری کے ہنگاموں سے ابھرتا ہے۔ راولپنڈی کو جب لارڈ ہوزی نے چھاؤنی قرار دیا تو دہلی و لکھنو کے کئی ایک شعرا ملازمت کے سلسلے میں راولپنڈی میں مکیم ہو گئے پھر تقسیم ملک کے وقت دہلی، لکھنو، رام پور اور حیدرآباد دکن سے جو شعرا راولپنڈی آئے تو شعر و شاعری کا ذوق بھی ساتھ لائے۔ آج جب ہم اکیسویں صدی کی شعر و شاعری پر نظر ڈالتے ہیں تو راولپنڈی کے غزل گو شعرا کی ایک چکور سامنے آتی ہے۔ جن میں باقی صدیقی، اختر ہوشیار پوری، رشید نثار، بشیر صرفی، نسیم سحر، ڈاکٹر توصیف تبسم اور امین راحت چغتائی شامل ہیں۔

امین راحت چغتائی ایک ہمہ گیر شخصیت کے مالک ہیں۔ غزل میں ان کی انفرادیت اپنی جگہ قائم ہے۔ امین راحت کے تین شعری مجموعے "بھید بھنور"، "بام اندیشہ" اور "ذرا بارش کو تھمنے دو" کے عنوان سے منظر عام پر آچکے ہیں۔

ہمارا موضوع بحث ان کا مجموعہ کلام "بھید بھنور" ہے جس میں ان کے کلام میں علامت کے استعمال کے حوالے سے بات کی جائے گی۔ تو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ پہلے علامت پر تھوڑی بات کر لی جائے۔ علامت کا

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

لفظ عربی زبان سے لیا گیا ہے اور نقش نشان، کنایہ یا سراغ کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے جسے انگریزی میں Symbol کہا جاتا ہے۔

کشاف تنقیدی اصطلاحات میں اس کے معنی اس طرح بیان ہوئے ہیں۔

"علامت کے اصطلاحی معنی میں کوئی شے، کردار یا واقعہ جو بطور مجاز اپنے سے ماورا کسی اور شے کی نمائندگی کرے"۔[1]

گویا سادہ لفظوں میں علامت وہ شے ہے جو کسی دوسری شے کی نمائندگی کرتی ہے علامت میں کسی شے کی حقیقت کو پردے میں رہتے ہوئے ڈھکے چھپے انداز میں ظاہر کرنے کا نام ہے یہ اپنے مجازی معنوں میں استعمال ہوتی ہے۔ علامت کے استعمال کے لیے یہ ضروری ہے کہ علامت ایسی ہو کہ پڑھنے والا کسی حد تک بیان کرنے والے کی بات تک رسائی حاصل کر کے اس سے لطف اٹھا سکے۔

شعر و ادب میں علامت کا استعمال ہمیشہ سے ہوتا چلا آیا ہے۔ شعر و ادب میں علامت اس وقت استعمال ہوتی ہے جب کسی ڈر، خوف یا مصلحت کے تحت کُھل کر اظہار نہ کیا جا سکے۔ علامت انفرادی و اجتماعی سطح پر اظہار کے لیے اہم ذریعہ سمجھی جاتی ہے اردو ادب میں یوں تو ہر دور میں علامتی پیرایہ اظہار کے لیے استعمال کیا جا رہا ہے البتہ ۶۰ کی دہائی علامت نگاری باقاعدہ تحریک کی صورت میں کچھ تو یورپ کے زیر اثر اور کچھ ہمارے اپنے زمینی حقائق کے باعث سامنے آئی۔ اردو شعر و ادب میں علامت نگاری ۶۰ کی دہائی میں ہمارے سیاسی، معاشی، سماجی حالات کی دگر گونی کی بنا پر وجود میں آئی۔ پاکستان کی سیاسی صورتحال، سیاستدانوں کی ناعاقبت اندیشانہ پالیسیوں اور مارشل لا کے نفاذ کی بنا پر شعرا اور ادبا نے اظہار کے راستے میں رکاوٹ محسوس کی تو علامت، تجرید اور تمثیل کا سہارا لیا وار اپنے افکار، خیالات اور محسوسات کو متشکل کیا۔ امین راحت چغتائی کا تعلق بھی ۶۰ اور ۷۰ کی دہائی سے ہے۔ انہوں نے بھی اپنے عہد کے حالات کے پیش نظر اپنے مجموعہ کلام بھید بھنور میں علامتوں کا ایک مخصوص نظام ترتیب دیا ہے۔ بھید بھنور ۱۹۸۴ء میں شائع ہوا۔ اس مجموعے میں ان کی نظمیں اور غزلیں دونوں شامل ہیں۔ اس میں ان کی ۴۱ کے قریب نظمیں اور ۷۰ غزلیں ہیں۔ ان کی نظم و غزل دونوں کا اسلوب اور لہجہ ایک ہی ہے۔ سوائے دونوں اصناف کی طبعی خصوصیات کے جس کا لحاظ ہر شاعر کرتا ہے۔ ان کی نظمیں ایک طرف تو جدید نظم کے تقاضے بھرپور انداز میں پورے کرتی ہے تو دوسری طرف بڑے فخر کے ساتھ نظم کی روایت سے بھی پیوستہ اور وابستہ ہے۔ ان کی

شاعری کا تار و پود اور لب و لہجہ ایک طرف انگریزی رومانوی شاعری کی یاد دلاتا ہے تو دوسری طرف غزل کی چاشنی اور دیسی پن کی خوشبو سے بھی بھرپور ہے۔ دیسی پن کی اس خوشبو کا احساس اور زیادہ گہرا ہو جاتا ہے۔

جب ہندی کی چاشنی اور ہندی دیومالا کی تلمیحات نظر آتی ہیں۔ یہ ان کی نظم "برندابن ہے" میں وضاحت کے ساتھ بیان ہوئی ہیں۔ جہاں تک ان کی غزل و نظم کے اسلوب اور لہجے کی یکسانیت کا تعلق ہے۔ ان کو "کن ماہ وسال" میں ملاحظہ کریں:

کن ماہ وسال کی بات کریں جو بیت گئے وہ زخم ہوئے
جو آئیں گے اندیشے ہیں ور اندیشے کب ختم ہوئے

(کن ماہ وسال: ص ۱۰۲)

امین راحت چغتائی جس انداز سے اپنا خیال پیش کرتے ہیں اور داخلیت کے اظہار کے لیے خارجیت سے مماثل تلاشتے ہیں تو ہمیں انگریزی کے مابعد الطبیعیاتی شاعر جان ڈی کی یاد دلاتا ہے۔ یہ رنگ زیادہ تر عشق و محبت اور جنس کے زمرے میں نمایاں ہے۔ وطن یا جنم بھومی اس لحاظ سے امین اپنی تاریخ سے مکمل ارتباط رکھتے ہیں۔ یہ تاریخ متحدہ ہندوستان کی مشترکہ تاریخ بھی ہے اور پاکستان کے خصوصی حوالے سے بھی کٹورے نظم میں نہ صرف ماضی کی روایت سے تعلق کا اظہار ہے۔ بلکہ اس کی موجودگی دور حاضر میں محسوس کرنے کی خواہش اور حسرت بھی نمایاں ہے۔ امین راحت چغتائی جدیدیت کے حامی ہیں۔ لیکن جدیدیت کی محبت میں ماضی سے دست کش ہونے کو تیار نہیں۔ نظم ماہ وسال اس درد کی غماز ہے۔

ان کی نظم "جب رنگوں میں رُت آئے" جو انھوں نے اپنے بیٹوں کے نام کی ہیں۔ میں خود کو گویا روایات ماضی کا استعارہ بنا کر روایات کو زندہ رکھنے کی تلقین کرتے ہیں۔ نیز اسی نظم میں پیڑ کی علامت روایات اور ماضی کا وہی استعارہ ہے جو ان کی شاعری میں جنگل کی علامت کے نام سے بنیادی علامت ہے۔

جان ڈی دو پیار کرنے والوں کو پرکا اور محبوب کے آنسو کو سیلاب جیسی اچھوتی اشیا سے تشبیہ دیتا ہے۔ کچھ ایسا انداز امین کی نظم "اچھوتی" میں بھی ہے۔ خصوصا آخری دو لائین اپنے مکمل ابلاغ کے لیے قاری کی فکر سے کچھ توجہ چاہتی ہے۔

بات اکہری،
انگ سے انگ ملا کر دیکھو مدھ ساگر کے رنگ

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

نیارے بھید کُھلیں تو کیسے، لاج کے اپنے ڈھنگ

(اچھوتی ص:۵۲)

پھر جھیل کا استعارہ ایک معنی نہیں رکھتا۔ بلکہ شاعر کے سلسلہ فکر مختلف سطحوں اور تہوں کی عکاسی کر رہا ہے۔

جھیل کنارے بیٹھا کب سے سوچ میں ڈوبا جاؤں
جھیل میں اتروں، اُبھروں تب میں اپنے چاند کو پاؤں
چاند کی کرنیں جھیل کنارے ایک ہی رنگ سجائیں
دھیان کی لہریں رنگ میں گھل کر کیسے رنگ رچائیں

(بھید بھنور ص ۵۳)

ڈاکٹر سید عبد اللہ بیان کرتے ہیں:

"امین راحت کی نظموں میں میراجی کی کچھ خوشبو ہے اور یہ کوئی راز کی بات نہیں۔"(۲)

اسی بات کو وضاحت کے ساتھ ڈاکٹر وزیر آغا بیان کرتے ہیں:

"امین راحت چغتائی کے ہاں جب جنگل کی طرف مراجعت ہوئی تو جنس کا پہلو اپنی پوری شدت کے ساتھ سامنے آیا۔ اب معلوم ہوا کہ امین راحت چغتائی کو میراجی سے اس قدر لگاؤ کیوں ہے۔ اس نے ایک نظم کو میراجی سے اس قدر ہم آہنگ کر لیا ہے۔۔۔۔۔۔۔ یہ لگاؤ برصغیر کی قدیم تہذیب اور تہذیب سے پھوٹنے والی دیومالا سے لگاؤ کے مترادف بھی ہے۔ چنانچہ ان کے بیشتر موضوعات وہی ہیں جو میراجی کے ہیں یعنی "جنگل برندابن" اور عشق مشک کا ہزاروں برس پرانا کھیل جو زمینی تہذیب کا ثمر ہے۔"(۳)

یہ بات تسلیم شدہ ہے ہر شاعر کا اسلوب اس کی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے اور شخصیت زمانے کی گوناگوں تبدیلیوں کا عکس ہوتی ہے۔ امین راحت کی شاعری میں جو اسلوب ابھرتا ہے وہ انوکھا اور منفرد ہے۔ ان کے ہاں کلاسیکیت کے ساتھ ساتھ جدیدیت کا رنگ بھی نمایاں ہے۔ امین یہ جانتے ہیں کہ وقت سدا ایک سا نہیں رہتا اور نہ ہی رکتا ہے۔ نہ کسی کا انتظار کرتا ہے جو لوگ بہتے دریا میں ہاتھ دھو لیتے ہیں۔ فائدے میں رہتے ہیں اور جو لوگ آج کا کام کل پر چھوڑتے ہیں خسارہ پاتے ہیں۔ لہذا وہ کہتے ہیں:

وقت نے ساتھ دیا ہے کس کا
گزرے لمحوں کو بلائیں کیونکر

امین راحت چغتائی کے ہاں محاورات کا باقاعدہ ایک استعمال ملتا ہے جو زبان پر ان کی دسترس کی دلیل بھی ہے۔

کتنی کلیوں کو پسینے آرہے ہیں سوچ کر
گدا گدا کر جانے کیا گل کھلائے گی

(بھید بھنور: ص ۱۱۵)

کلیوں کے ساتھ گل کھلانے کا محاورہ نہایت ہی خوب صورت رعائت لفظی ہے نیز ابلاغ معنی میں یہ شعر نہایت سبک ہے۔

وہ کوئی بات سنے یا نہ سنے
آسماں سر پر اٹھائے رکھنا

(بھید بھنور: ص ۱۲۱)

محاوروں پر عبور کی ایک مثال یہ ہے کہ امین راحت چغتائی نے پنجابی کے ایک محاورے کو بڑی خوب صورتی سے اردو میں ڈھالا:

وہ برسوں اپنے ساتھ رہا پھر بھی اس نے پہچانا نہیں
اس گاؤں کا رستہ کیوں پوچھیں جس گاؤں ہمیں جانا نہیں

(بھید بھنور: ص ۱۶۵)

ہر شاعر کے ہاں علامتوں کا ایک مخصوص نظام ہوتا ہے اور یہ نظام اس ماحول سے پروان چڑھتا ہے۔ جس ماحول میں شاعر رہ رہا ہوتا ہے۔ امین راحت کی شاعری میں ان کا اپنا مخصوص نظام ہے۔ اس علامتی نظام کی چار بنیادی علامتیں جنگل، گلی، آگ اور آئینہ ہیں۔ اس کے علاوہ اور بھی علامتیں دکھائی دیتی ہیں۔ خصوصاً بام اندیشہ جو ان کا دوسرا مجموعہ ہے میں دیگر علامات ان کی بنیادی علامات کی نسبت زیادہ پائی جاتی ہیں۔ نئے ماحول، نئے موضوعات اور نئی فکر نے نئی علامات کو متعارف کروایا ہے۔ جنگل کی علامت امین کی غزل کی نسبت نظم میں زیادہ سامنے آئی ہے۔ البتہ غزل کے ایک شعر میں یہ علامت ملتی ہے:

صبح ہوئی تو یاد کے جنگل میں گم سُم پائے گئے
بھیگی رات کے سناٹے میں سوئے بھاگ جگائے گئے

(بھید بھنور: ص۱۱۸)

امین راحت کی شاعری میں دوسری اہم علامت "آگ" نجات، عرفان اور گیان کے معنوں میں استعمال کی گئی ہے۔ اس ضمن میں ان کی نظم کندن اہم ہے۔

اب ہار میں جیت نہ ڈھونڈ سکھی
یہ ہار ہی لیکھ میں لکھ لکھ کر، ہم جگ کی آگ میں کو دے تھے،
پھر آگ بھی ساری اپنی تھی، اپنوں نے ہی دہکائی تھی،
خود ہم نے بھی بھڑکانے کو کچھ اپنے ارماں جھونکے تھے،

(کندن، ص۹۷)

یعنی مشکلات، ہار، ناکامیاں اور محرومیاں بھی انسان کی تربیت کرتی ہیں اور اسے بلند کرتی ہیں۔ حضرت ابراہیم کو اللہ نے مشکلات کی بھٹی میں ڈالا اور جب وہ آزمائش کی اس بھٹی سے کندن بن کر نکلے تو امامت کا تاج ان کے سر پر سجایا گیا۔ (نظم "آگ"، ص۱۲۳)

میں آگ کا بھید نہ پاؤں
تن من کی سدھ بسراؤں

یہ نظم کبھی سوز و ساز رومی کبھی پیچ و تاب رازی کی کیفیت کی نمائندہ ہے۔ عقل و شعور کی آگہی ہونے کے باوجود ایک مسلسل عذاب کی کیفیت ہے جو کائنات انسان اور خدا کے بارے میں ان گنت اور لایعنی سوالوں کے حال تلاش کرنے کے لیے انسان کو مسلسل ذہنی اضطراب میں مبتلا رکھتی ہے۔ فکر کی اسی آگ سے گزر کر آگہی کا ثمر ملتا ہے لیکن اس سے گزرنا آسان نہیں۔

عقل و شعور کی اسی بھٹی سے گزر کر انسان ستاروں کی گزر گاہوں کا امین بنا اور دور جدید کی بنیاد رکھ پایا اور ستاروں پر کمندیں ڈالنے کی جرات کرنے لگا۔ امین راحت اس سفر کو آدمیت کے گیان اور آگہی کا سفر مانتے ہیں۔ چنانچہ اس کے لیے بھی آگ کی علامت استعمال کرتے ہیں۔ اس ضمن میں ان کی نظم "انگارے" اہمیت کی حامل ہے۔ امین کی نظم "شائیگاں" میں آگ کی علامت دور خی معلوم ہوتی ہے یا یوں کہیں کہ گیان اور آگہی کے معنی کو

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

جنس اور جذبات کے پردے میں بیان کیا ہے۔

مرمریں طشت کا گوہر شائیگاں
گرم تر، سرخ تر، سخت تر
جو بھی آئے قریں فنا ہو وہیں
(بھید بھنور: ص ۳۷)

یہاں آگ محبوب کے قرب میں جذبات کی شدت کی علامت کے طور پر استعمال ہوئی جو لذت وصال سے بھڑک اٹھتی ہے اور اسی میں سکون ملتا ہے۔ اسی آگ میں بار بار جلنے کو جی مچلتا ہے۔ آگ کی علامت اس کرب کی غماز ہے جو محبوب کے وصال اور آگہی کے لیے ضروری ہے۔ اس کرب انگیز آگ سے گزر کر "گوتم بدھ" کو "گیان" ملا تھا۔ امین راحت کی ایک نظم کا ٹکڑا ہے

یہاں ایک بوڑھا شجر بھی ہے
جو زیست کے خارداروں سے تنگ آکر گوتم بنا
گیان میں محو ہے
(نظم: کٹورے: ص ۸۵)

ڈاکٹر وزیر آغا رقم طراز ہیں:

"امین راحت نے آگ کی علامت کے استعمال میں بڑی فنی چابک دستی کا مظاہرہ کیا ہے۔ بلکہ یہ کہنا چاہتے کہ اس کے ہاں آگ کی قلب ماہیت ہوتی ہے اور بعد ازاں اسی آگ نے شاعر کے لیے گیان کا اہتمام بھی کیا ہے۔"(۴)

امین راحت کے ہاں آگ، ماضی کی یادوں، خوابوں اور مابعد الطبیعیاتی مسائل کے جوابات کی تلاش کی آگ ہے جس سے گیان و آگہی کی شمعیں روشن ہوتی ہیں۔ اس ضمن میں ان کی نظم ساحل، چاہت، راکھ، دہکتے آلاؤ اور شعلہ کے عنوان سے آپ کے نظام علامت میں آگ کی علامت سے وابستہ گیان اور دھیان کے لیے کرب انگیز فکری مسافت کے معنی کو واضح ترین انداز میں پیش کرتی ہیں۔

دوسری علامت "گلی" ہے۔ گلی سے ان کے ہاں مراد ارد گرد کا ماحول ہے اور یہ ماحول اکثر اجنبیت پر مبنی ہے۔ جہاں خوف محسوس ہوتا ہے ناموافق حالات کی طرف اشارہ ملتا ہے۔

ISSN (**Print**): 2709-9636 | ISSN (**Online**): 2709-9644
Volume 2, Issue IV, (October to Decmber 2021)

گلیوں سے گزرتے ہوئے محسوس ہوا ہے
جو در ہے کھلا واقفِ اسرار نہیں ہے

(بھید بھنور: ص ۱۴۰)

اوڑھ کے چادر مسافر جب گلی میں سو گئے
بند دروازے اچانک نیم وا سے ہو گئے

(بھید بھنور: ص ۱۲۹)

تیسری بنیادی علامت "آئینہ" ہے اور آئینے کی علامت سچائی اور حقیقت کے اظہار کے لیے استعمال کی گئی ہے اور یہ علامت کہیں حسن کی گواہی کے طور پر بھی استعمال ہوئی۔

نیم وا غنچوں کے رخساروں کی سرخی دیکھنا
آئینے شبنم کے راحت جب دکھائے گی ہوا

(بھید بھنور: ص ۱۱۵)

چوتھی علامت آگ ہے جس کا استعمال آگہی و گیان کے مفہوم میں کیا گیا ہے۔ آگہی کا سفر بھی کسی آگ کے دریا کو عبور کرنے سے کم نہیں نیز ان کے ہاں آگ کی علامت ان مشکلات کے طور پر بھی استعمال ہوئی جو انسان کی تربیت کرتی ہیں اور اسے کندن بناتی ہے۔

ہم گیانی بن بیٹھے جب سے سوچ میں ڈوبے رہتے ہیں
گیان کی آگ جلا تو بیٹھے گیان کی آگ بجھائے کون

(بھید بھنور: ص ۱۷۰)

اس کے علاوہ راحت امین کی غزل میں کلی اور پھول کی علامت بھی ملتی ہے۔ یہ علامت ان کے ہاں روایتی موضوع کے طور پر استعمال ہوتی ہے۔ کلی سے مراد کنواری لڑکی اور پھول سے مراد مکمل عورت ہے۔ کلی سے مراد ان کہے جذبے ہیں جن کے پھول سے مراد بامراد جذبے ہیں

کچی کلیوں کی خوشبو بھی من میں آگ لگائے بہت
باغ میں آئے شوق سے لیکن آکر پھر پچھتائے بہت

(بھید بھنور: ص ۱۱۸)

امین راحت کا یہ رنگ ان کے دوسرے مجموعے بام اندیشہ میں کم دکھائی دیتا ہے۔ اگرچہ جذبات کا عکس وہاں بھی موجود ہے۔ لیکن یہ قدرے مختلف ہے۔ برسات کا استعارہ فرد اور فرد کی محبت کے طور پر استعمال ہوا ہے۔ اسی مفہوم کے لیے کہیں ابر گراں کا استعارہ بھی استعمال کیا گیا۔ کہیں یہ استعارہ روایتی مفہوم یعنی جذبات کے اظہار کے لیے استعمال ہوا۔

بھید بھنور امین راحت کا پہلا شعری مجموعہ ہے۔ جب آتش جوان تھا۔ اس لیے جذبات کی جو شدت بھید بھنور میں ہے۔ وہ بام اندیشہ میں نہیں راحت چغتائی کا رشتہ روایت سے بہت مضبوط ہے۔ جس کا اظہار روایتی الفاظ و تشبیہات و استعارات میں بھی نظر آتا ہے اور موضوعات میں بھی یہ سلسلہ بر قرار ہے۔

کہیں تو کس سے کہیں اپنا حالِ دل راحت
ہمیں جو بھی ملا اس کا راز دان نکلا

(بھید بھنور: ص۱۱۷)

روایت کے سلسلے میں امین راحت نے بیدل، میر تقی میر، بشیر بدر، اقبال، فیض اور حفیظ جالندھری کے بعض اشعار کو لے کر بھی اسی زمین میں طبع آزمائی کی کوشش کی ہے۔ نیز امین راحت نے مصحفی، باقی صدیقی، ن۔م۔راشد اور میراجی پر باقاعدہ نذرانہ عقیدت پیش کیا ہے۔ آپ کی شاعری میں دستِ صبا، قلقل مینا، بزم مغان، سنگ طفلاں، سوز نہانی، آشفتہ سری جیسی تراکیب کا استعمال بھی پایا جاتا ہے۔

اقبال کے تتبع میں امین نے لکھا:

دو نیم ان کی ٹھوکر سے صحرا و دریا
سمٹ کر پہاڑ ان کی ہیبت سے رائی

(اقبال)

دشت و صحرا کا بھی دامن سمیٹا
تیرے دیوانے جدھر سے گزرے

(امین راحت بھید بھنور ۱۳۳)

غالب کا تتبع امین راحت یوں کرتے ہیں:

میں نے مجنوں پہ لڑکپن میں اسد
سر اٹھایا تھا کہ سنگ یاد آیا

(غالب)

سنگ طفلاں سے تعلق کا مقدر معلوم
جس کا سودا ہو وہی سر بھی سنبھالے اپنا

(امین راحت بھید بھنور ۱۳۹)

امین راحت میر کو مخاطب کرتے ہوئے کہتے ہیں:

میر تم مایوس نہ ہونا، اس نگری میں بھی کچھ لوگ
شعر کی سندرتا کے لیے دکھ درد کو پالے پھرتے ہیں

(بھید بھنور: ص۱۷۸)

امین راحت کے ہاں روایت کی پیروی کا رجحان نمایاں ہے۔ اس کے علاوہ آپ کی نظموں میں ہندی سے لگاؤ واضح طور پر نظر آتا ہے لیکن غزل میں بھی آپ نے ہندی کی پیوند کاری کی ہے۔ یہ رنگ بھید بھنور کی زینت ہے۔ بام اندیشہ میں نہیں ہے۔ جس مختصر اور طویل بحروں کی غزلوں اور نظموں میں موسیقیت اور نغمگی کی چاشنی بھر انداز میں ملتی ہے۔

شاعر عام لوگوں سے زیادہ حساس ہوتا ہے اور اس کا مشاہدہ بھی عام آدمی سے وسیع ہوتا ہے۔ پھر الفاظ پر عبوران کے اظہار کے طریقے بھی سکھا دیتا ہے۔ امین راحت ایک حقیقت شناس اور حقیقت نگار شاعر ہیں۔ اپنے ارد گرد کے ماحول سے وابستگی اور معاشرتی رویوں کی عکاسی ان کی شاعری کا خاصا ہے۔ زندگی کی تیز رفتاری پر وہ یوں گویا ہیں:

مجھے تو لگتا ہے سب لوگ اب سفر میں ہیں
ہزاروں در پس مکانوں میں راستوں جیسے

(بھید بھنور: ص۱۶۷)

علاوہ ازیں امین راحت کی نظموں میں بدامنی، کسان کے استحصال، خاموش اثریت، وطن میں قتل و غارت گری جو خصوصاً ۲۰۰۵ء سے گرم ہوا مہنگائی اور ضروریات پر تبصرے پھر حکیم محمد سعید جیسے نابغہ روزگار، محسن انسانیت کے بے رحم قتل غرض ہر موضوع پر آپ کی گرفت قابلِ تحسین ہے۔

پاکستان اپنی ابتدا سے مسلسل عدم استحکام کا شکار رہا ہے۔ کبھی ہانپتی کانپتی جمہوریت تو کبھی اندھی آمریت اس کے گلے کا جوا زبنتی رہی۔ سیاست دانوں کی بے حسی، عیاشی، بدعنوانی اور ناعاقبت اندیشی پر ہر حساس شاعر کی طرح امین راحت کا دل بھی خون کے آنسو رویا۔ یہ آنسو صفحہ قرطاس پر کچھ یوں بکھرے:

یہ دو دن میں اسے کیا ہو گیا ہے
وہی جو ناخدا تھا اب خدا ہے

(بھید بھنور)

ملکی و قومی حالات سے لے کر فطرت میں انسان کی مداخلت تک کو امین راحت چغتائی کے حساس دل و دماغ نے سمیٹا ہے۔ ترقی کے اس جدید دور سے آلودگی اور شجر کشی ہمیں تحفے میں ملی ہے۔ اس پر بھی امین راحت نوحہ کناں ہیں۔ ان تمام مایوس کن حالات کے باوجود ایک ذمہ دار شاعر کی طرح وہ امید کی لو کو بجھنے نہیں دیتے۔ پھر عشق حقیقی امین کے ہاں کئی رنگوں میں نمایاں ہے۔ امین راحت اسلامی علوم کے ماہر اور تصوف کے رمز شناس تھے۔ اس لیے ایک قاری کو ان کی شاعری میں عشق حقیقی کے رنگ کی تلاش ہے اور ان کی شاعری میں عشق کچھ ایسے اظہار پاتا ہے۔

تلاش میں رہے جس کے قریب جاں نکلا
وہ اجنبی تھا مگر اپنا مہماں نکلا

(بھید بھنور: ص۱۱۷)

امین راحت فلسفے پر بھی دسترس رکھتے ہیں۔ فلسفہ ثنویت، فلسفہ ذات و صفات کا عکس ان کے اشعار میں جابجا جھلکتا ہے۔ حقیقت و وہم کی بھول بھلیوں کا ذکر ان کے ہاں بھی موجود ہے۔ اس کے علاوہ ان کی شاعری میں لطافت اور مٹھاس موجود ہے۔

اس سلسلے میں ڈاکٹر سید عبداللہ کہتے ہیں:

"امین راحت کی شاعری میں ایک نیا ذائقہ ہے جو کسی جدید شاعر کے ہاں نہیں ملتا۔ اس میں خلوص ہے، مٹھاس ہے، تہذیب ہے، نفاست ہے، ملامت ہے۔ بھید بھنور سے میں نے جو کچھ کہا ہے اس کی تصدیق ہو جائے گی۔"(۵)

چنانچہ اپنی بحث کو سمیٹتے ہوئے اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ امین کی شاعری میں جذبات، عشق عمل، جوش، خود شناسی، حقیقت شناسی، ماضی کی روایات سے وابستگی، جدت طرازی، معاشرے کے ساتھ وابستگی سب کچھ ہے۔ پھر انھوں نے جو علامتیں استعمال کیں جن میں آگ، آئینہ، جنگل اور گلی وہ ایسی ہیں کہ ان کے عہد کے حالات کو بھرپور انداز میں نمایاں کرتی ہیں۔ اس دور میں پاکستان میں جس سیاسی بے سمتی کا شکار تھا تو جنگل کا سا گمان ہوتا تھا کہ گویا لا قانونیت ہے جس کے پاس اختیار ہے وہی سیاہ و سفید کا مالک ہے۔ آئینے کی علامت چیزوں کی حقیقت کو عیاں کرنے کے لیے بیان کی گئی ہے اور آگ کی علامت گویا آگہی کا سفر ہے جو مشکلات کی نشاندہی کرتا ہے گلی کی علامت در حقیقت خوف اور اجنبیت کے احساس کی نمائندگی کرتی ہے۔ امین راحت چغتائی کے کلام میں وہ تمام خصوصیات ہیں اور علامت بھی ایسی ہیں جو زیادہ پیچیدہ نہیں ہیں۔ یقیناً ایک باذوق قاری ان کے کلام سے لطف اندوز ہو سکتا ہے مجھے یہ کہنے میں کوئی تامل نہیں کہ امین راحت چغتائی اردو شاعری میں ایک معتبر نام ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابو الاعجاز حفیظ صدیقی (مرتب) کشافِ تنقیدی اصطلاحات، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۸ء، ص ۱۲۳

۲۔ سید عبد اللہ، ڈاکٹر: (مضمون)، آشفتگی، آسودگی، مشمولہ، بھید بھنور، از امین راحت چغتائی، امتزاج پبلی کیشنز، لاہور، طبع اول ۱۹۸۶ء، ص ۱۷

۳۔ وزیر آغا، ڈاکٹر: (مضمون)، کالا دھن، مشمولہ، بھید بھنور، از امین راحت چغتائی، امتزاج پبلی کیشنز، لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء، ص ۱۷

۴۔ وزیر آغا، ڈاکٹر: (مضمون)، کالا دھن، مشمولہ، بھید بھنور، از امین راحت چغتائی، امتزاج پبلی کیشنز، لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء، ص ۲۴

۵۔ سید عبد اللہ، ڈاکٹر: (مضمون)، آشفتگی، آسودگی، مشمولہ، بھید بھنور، از امین راحت چغتائی، امتزاج پبلی کیشنز، لاہور طبع اول ۱۹۸۶ء، ص ۱۸